اردو مضامین

خلافت اور جمہوریت: نتائج و عواقب

Caliphate and Democracy: Results & Consequences

ڈاکٹر حافظ محمد خالد شفیع*

ABSTRACT

Islām is a complete code of life. Man is the vicegerent and representative of Allāh. The role of vicegerent and caliphate can only be fulfilled in a complete manner, when the system of the Islamic Caliphate is established. It is the duty of Muslims to endeavor for establishing such a system in the world.

The caliphate is the political title of Islām. It is, actually, the sovereignty of Almighty God on the earth. God creates its sovereignty by selecting the pious people from the humankind. With the help of Caliphate, unity, strength and equality can be established in the Muslim world. Democracy is the system of government, which is based on the wishes of the majority of the people of a state. However, the real democracy is the one in which wishes of people are directly or indirectly catered. An ideal democracy is the one in which all affairs of the country are run with the consultation of all the people. If the affairs of any state are run by the majority of the people, then that state will move towards its destruction. Allāh says, *"O Muhammad..! If you obey most of the dwellers of the earth they will lead you astray from Allah's way."*

The affairs of the Islamic state must not run by the wishes of the majority nor the minority of the people, but, on the values of truth and justice. The author of this paper presents a critical and comparative study of the Islamic Caliphate and democracy, and concludes that it is the Caliphate and not democracy, which is the true Islamic system of government.

***Keywords*:** *Democracy, Caliphate, Sovereignty, Consultation, Justice*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، سکھر، آئی بی اے، سندھ

دین اسلام وہ دین ہے جس کی سنہری تعلیمات انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہیں۔ فخر کی بات یہ ہے کہ اس کی یہ تعلیمات صرف منبر و محراب تک محدود نہیں بلکہ حیات انسانی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں۔ گویا حیات انسانی ایک کل ہے اور تہذیب و تمدن، تعلیم و تربیت، عادات و اطوار، اخلاق و آداب، معیشت و معاشرت اس کے اجزاء ہیں۔ سیاست بھی اس کل کا نہایت اہم جزوء ہے۔ دین اسلام نے سیاست میں طرزِ خلافت کا حکم دیا ہے۔ خلافت کسے کہتے ہیں، اس کی اہمیت کیا ہے نیز قرآن و حدیث میں خلافت کا حکم کس طرح سے دیا گیا ہے؟ آیا اس طرزِ حکومت کا اپنانا اختیاری ہے یا لازمی؟ تمام امور تشریح کے محتاج ہیں اور یہ بات بھی تشریح طلب ہے کہ تقریبا نصف صدی پر مشتمل سیاست میں جمہوریت کے طرزِ حکومت کی حیثیت کیا ہے؟ دور حاضر میں اسے اپنایا جاسکتا ہے یا نہیں اور اگر اسے اپنایا گیا تو اس سے کیا نتائج مرتب ہونگے؟ یہ تمام قضایا بھی محل بحث ہیں۔

خلافت کا لغوی مفہوم:

خلافت اور خلیفہ کا مادہ لغوی "خ۔ل۔ف" ہے (خَلَفَ) اس مادہ کے لغوی معنی جانشین ہونا، ایک کے بعد دوسرے کا آنا اور نیابت کے ہیں۔ یہ مادہ مختلف ابواب کے صیغوں سے کئی بار قرآن مجید میں آیا ہے، اور خصوصیاتِ ابواب کی وجہ سے اصل معنی کے ساتھ اضافی مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔

علامہ ابن منظور خلافت کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہیں:

"وخَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا إِذَا كَانَ خَلِيفَتَه.يُقَالُ: خَلَفَه فِي قَوْمِهِ خِلافَةً."[1]

ترجمہ: اور فلاں فلاں کے پیچھے آیا جب وہ اس کا قائم مقام ہوا۔ کہا جاتا ہے وہ قوم میں اس کا قائم مقام ہوا۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿وَقالَ مُوسى لِأَخِيهِ هارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي﴾[2]

ترجمہ: اور کہا موسی نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں۔

خلافت کی اصطلاحی مفہوم:

علامہ ابن خلدون خلافت کی تعریف بیان کرتے ہوئے۔ رقمطراز ہیں:

"وأنه نيابة عن صاحب الشريعة في حفظ الدين، وسياسة الدنيا به، تسمى خلافة وإمامة، والقائم به خليفة وإماماً."[3]

ترجمہ: نیابت دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست کے لیے صاحب شریعت کی جانشینی کو خلافت اور امامت کہا جاتا ہے اور جو شخص اس کا انتظام کرتا ہے اسے خلیفہ اور امام کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی خلافت کی ایک جامع تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" **الخلافة هي الرياسة العامة في التصدي لاقامة الدين بإحياء العلوم الدينيه واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطاءهم من الفيء والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابةً عن النبي** ﷺ. "(4)

ترجمہ: خلافت وہ نیابتِ عامہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے عملاً اقامت دین کے لیے حاصل ہوئی ہو یعنی علوم دینیہ کا احیاء ارکان اسلام کی اقامت، جہاد اور متعلقات جہاد کا قیام جیسے افواج کی ترتیب، مجاہدین کو وظائف دینا، مال غنیمت کی تقسیم، نظام قضا کا قیام، حدود کا اجراء مظالم کو دور کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا۔

مولانا ابوالکلام آزاد خلافت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"قرآن کی زبان میں خلافت اور "استخلاف فی الارض" اور "وراثت و تمکن فی الارض" سے مقصود زمین کی قومی عظمت وریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت وسلطنت ہے"۔(5)

علماء اسلام کی بیان کردہ شرعی واصطلاحی تعریفات کا جائزہ لیا جائے، تو خلافت کا ایک جامع مفہوم ہمارے سامنے آتا ہے جو اسلامی نظام خلافت میں خلیفہ المسلمین کے دائرہ اختیار اور منصبی ذمہ داریوں تک کے تعین میں مددگار ہو سکتا ہے۔اس لیے کہ خلیفہ، صرف خلیفہ کے طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب تک وہ اللہ اور رسول ﷺ کی نیابت میں منصبی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتا۔

قرآن اور خلافت:

قرآن کریم میں خلافت کا تذکرہ متعدد بار ہوا ہے۔ جہاں جہاں خلیفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے بعد (الارض) کا لفظ بھی آیا ہے۔﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾(6) سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم یعنی (بنی آدم) کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔بنی آدم کا اشرف المخلوقات ہونا ظاہر اور نوع انسانی کا زمینی مخلوقات پر حکمران ہونا عیاں ہے، پس انسان کی یہ خلافت جو زمین کے ساتھ مخصوص ہے یقیناً خلافت الٰہیہ ہے

اور نوع انسانی خلیفۃ اللہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا جو سب کی خالق و مالک ہے اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے کہ **"من کل الوجوہ"** کوئی مخلوق چاہے وہ اشرف المخلوقات ہی کیوں نہ ہو اس کی جانشین یعنی خلیفہ ہو سکے۔ پس نوع انسان کی خلافت الہیہ "من وجہ" تسلیم کرنی پڑے گی اور وہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام موجودات مخلوقات کا حقیقی حکمران اور شہنشاہ ہے اسی طرح زمین میں صرف نوع انسان ہی تمام دوسری مخلوقات پر بظاہر حکمران نظر آتا ہے اور ہر چیز اور ہر مخلوق سے انسان ہی اپنی فرماں برداری کرا لیتا ہے پس ثابت ہوا۔﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ میں خلیفہ سے مراد حکمران ہے نہ کہ کچھ اور (7)

رسول اللہ ﷺ کی خلافت

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾(8)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار رہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس آیت کو قرآن مجید کا عمود قرار دیا ہے کیونکہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے آپ ﷺ کی بعثت کے دو مقصد تھے۔

۔دعوت و تبلیغ 2۔غلبہ دین حق

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسلام کا غلبہ باقی تمام ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اُس وقت حاصل ہوا ہے اور ہو گا، جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے "(9)

تاریخ گواہ ہے کہ اس دین کو اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہو گی 'اور باطل سرنگوں ہو گا۔ آج جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے یہ اُن کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصود یہ ہے کہ (دین اسلام) کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے۔ پس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے کیا مراد ہے؟ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک یہ کہ دلیل میں غالب کیا جائے یعنی دین حق کی حقانیت اور دوسرے ادیان کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے جس کا رد نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ تیغ وسناں کے ذریعے سے غالب کیا جائے یعنی دین حق کی شوکت وسطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے"[10]

رسول اللہ ﷺ نے عرب کے مشہور قبائل کو ان الفاظ میں اسلام کی دعوت دی:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ تُفْلِحُوا وَتَمْلِكُوا بِهَا الْعَرَبَ وَتَذِلَّ لَكُمُ الْعَجَمُ وَإِذَا آمَنْتُمْ كُنْتُمْ مُلُوكًا فِي الْجَنَّةِ))[11]

ترجمہ: اے لوگو! کہہ دو سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں تو کامیاب ہو جاؤ گے، عرب کے حکمران بن جاؤ گے اور عجم بھی تمہارے ماتحت ہو جائیں گے اور جب تم ایمان لے آؤ گے تو جنت میں بھی بادشاہ بن جاؤ گے۔

اُمت کی منصبی ذمہ داری:

مذکورہ آیت مبارکہ کی تشریح و تفسیر کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد امت کی منصبی ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ختم نبوت ورسالت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو کام آنحضور ﷺ سے قبل انبیاء ورسل کیا کرتے تھے آپ ﷺ کے بعد اب وہ سب کے سب آپ ﷺ کی اُمت کے ذمے ہیں گویا خواہ دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر، تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ پر مشتمل فریضہ شہادتِ حق ہو جو بعثت انبیاء ورُسل کی غرضِ اصلی اور غایتِ اساسی ہے خواہ اعلاء کلمۃ اللہ، اقامتِ دین اور اظہار دین حق علی الدین کلہ پر مشتمل بعثتِ محمدی کا مقصد امتیازی اور منتہائے خصوصی ہو جملہ اہل ارض اور جمیع کُرہ ارضی کے اعتبار سے یہ سارے فرائض اب ان لوگوں پر عائد ہوتے ہیں جو آنحضور ﷺ کے نام لیوا ہیں اور آپ ﷺ کے نام نامی سے منسوب ہونے پر فخر کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی اُمت میں ہونے کو موجب سعادت جانتے ہیں"[12]

لہٰذا اقامت دین کی جدوجہد اور اسلامی نظام خلافت کا قیام امت کے فرائض منصبی میں سے ہے۔

خلافت حدیث کے آئینہ میں:

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًّا، فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ ثُمَّ سَكَتَ))(13)

ترجمہ: تمہارے درمیان نبوت رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اُس کو اٹھا لے گا۔ اس کے بعد نبوت کے طریقے پر کام کرنے والی خلافت آئے گی۔ جو رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ جب چاہے گا اس کو بھی اٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت آجائے گی، جو رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر وہ جب چاہے گا اُس کو اٹھا لے گا۔ پھر جابرانہ ملوکیت کا دور ہو گا۔ جو جب تک اللہ چاہے گا رہے گا۔ پھر وہ جب چاہے گا اُس کو بھی اٹھا لے گا۔ اس کے بعد پھر نبوت کے طریقے پر کام کرنے والی خلافت آجائے گی۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا))(14)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سکیڑ دیا (یا لپیٹ دیا) میں نے اس کے تمام مشرق و مغرب دیکھ لئے۔ اور یقینا میری اُمت کا اقتدار وہاں تک پہنچ کر رہے گا، جہاں تک زمین کو میرے لئے لپیٹا گیا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

((لَا يَبْقَى عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ، وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ كَلِمَةَ الْإِسْلَامِ، بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ ذُلِّ ذَلِيلٍ، إِمَّا يُعِزُّهُمُ اللهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ أَهْلِهَا، أَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِينُونَ لَهَا))(15)

ترجمہ: روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ، جس میں اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی

بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ تعالی لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرمادے گا اور انہیں کلمہ اسلام کا قائل و حامل بنادے گا یا (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرمادے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے (اپنے دل میں) کہا! "پھر تو واقعتا دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا"۔

خلافت فقہا کی نظر میں:

علامہ ابن حزم ظاہری خلیفہ کے تقرر اور انعقاد خلافت کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"ولا يجوز التردد بعد موت الامام في اختيار الامام اكثر من ثلاث."(16)

ترجمہ: امام کی وفات کے بعد دوسرے امام کے تعین میں تین دن سے زیادہ کا تردد جائز نہیں۔

امام ابوالحسن الماوری المتوفی نے خلیفہ کے تقرر کو بالاجماع واجب قرار دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

"الْإِمَامَةُ ،وَعَقْدُهَا لِمَنْ يَقُومُ بِهَا فِي الْأُمَّةِ وَاجِبٌ بِالْإِجْمَاعِ"(17)

ترجمہ: ریاست کی سربراہی کے لیے اُس شخص کا تقرر جو یہ فرض انجام دے سکتا ہو بالاجماع واجب ہے۔

امام عبد القاہر البغدادی بھی خلیفہ کا تقرر اور خلافت کا انعقاد بالاجماع واجب اور فرض قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" فقال جمهور أصحابنا من المتكلمين والفقهاء، من الشيعة والخوارج واكثر المعتزلة، بوجوب الإمامة وأنها فرض و واجب"(18)

ترجمہ: ہمارے اساتذہ میں سے جمہور علماء علم عقائد اور فقہاء نے، اسی طرح شیعہ، خوارج اور کثیر معتزلہ نے بھی کہا ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام فرض اور واجب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"ان ولاية أمر النَّاسِ مِنْ أَعْظَمِ وَاجِبَاتِ الدِّينِ بَلْ لَا قيام للدين ولا للدنيا إلَّا بِهَا."(19)

ترجمہ: حکومت اسلامیہ دین کا بلند ترین فرض اور واجب ہے، بلکہ اس کے بغیر دین و دنیا قائم نہیں رہ سکتے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

"واجب بالكفايه است بر مسلمين الي يوم القيامه نصب خليفه مستجمع شروط به چند وجه " (20)

ترجمہ: قیامت تک مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ ایسے خلیفہ کا تقرر کریں جس کے اندر خلافت کی شرائط موجود ہوں۔

احیائے خلافت، عہد حاضر کی اہم ضرورت

دور نبوت کا اصل ہدف غیر اللہ کے نظام کو قرآن سنت کے نظام سے بدلنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت احسن طریقے سے تقریباً 23 سال کی جان گسل جدوجہد سے سرزمین عرب میں دین حق کی دعوت و تبلیغ کی اور اس کا غلبہ قائم کیا جب تک نظام خلافت راشدہ قائم رہا اس وقت تک امت مسلمہ ہی انسانیت کی نگہبان و قائد رہی۔ یہی وہ مبارک دور ہے جس میں آسمان نے زمین پر خوشحالی، امن وامان، عدل وانصاف اور اخوت و مساوات کے وہ مناظر دیکھے جس کی مثال آج تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

خلافت اسلامیہ کا یہ سلسلہ 632ء سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے بعد تک خلافت راشدہ کی شکل میں کم وبیش 31 سال جاری رہا اس کے بعد اگرچہ خلافت اس صورت میں قائم نہ رہ سکی لیکن پھر بھی 1924ء تک کسی نہ کسی صورت میں قائم رہی اور خلافت عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی پر یہ سلسلہ ختم ہوا، سلطان عبدالحمید ثانی کو معزول کر کے خلافت کا ادارہ ختم کر دیا گیا اور اسلامی ممالک میں مغربی جمہوریت کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

علامہ اقبال خلافت کے خاتمے کے تاریخی پس منظر کو یوں بیان کرتے ہیں۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ (21)

زوالِ خلافت کے بعد اسلامی نظام خلافت کا احیاء اہل اسلام کی دینی ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید میں مختلف پیرائے میں اس ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(22)

ترجمہ: وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہ ہی لوگ ہیں نافرمان۔

یعنی (وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ) اور (يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا) میں خلیفہ بنانے کی علت غائیہ کا بیان ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے خلیفہ بنانے سے مقصد یہ ہے کہ دین پسندیدہ تمکین پائے اور کلمہ الٰہی کی بلندی ظاہر ہو جائے اور دین حق کا غلبہ تمام ادیان پر ثابت ہو جائے۔

چنانچہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ خلافت کو قائم کرنا پوری دنیا کے مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کا قیام ان دوسرے فرائض کی ادائیگی کی طرح فرض ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر فرض کیا ہے، یہ ایک لازمی فریضہ ہے جس میں کوئی اختیار اور کسی قسم کی سستی کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کی اقامت میں کوتاہی کرنا اُن بڑے عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کرنا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾(23)

ترجمہ: پس اُن کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کے مقابلے میں اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ﴾(24)

ترجمہ: پس اے محمد! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے خطاب امت کے لئے بھی ہے جب تک آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں، چنانچہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کے لئے بھی ہے کہ وہ اسلامی احکامات کو قائم کریں اور خلافت کے قیام سے مراد بھی یہی ہے کہ حکومت اور سلطان (شرعی اختیار کا حامل شخص) مقرر کیا جائے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اولوالامر (صاحب اقتدار) کی اطاعت کو بھی مسلمانوں پر فرض کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اولوالامر ہونا چاہیے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾(25)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔

اللہ تعالیٰ کبھی بھی اس شخص کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا جس کا وجود ہی نہ ہو، چنانچہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ **اولو الامر** کا ہونا ضروری ہے کیونکہ **اولو الامر** کے وجود پر شرعی حکم کا دارو مدار ہے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں حکم شرعی ضائع ہو جاتا ہے لہٰذا اس کا وجود فرض ہے۔

نظام خلافت کا احیاء آج ملت اسلامیہ کی اہم ضرورت ہے کہ گذشتہ تقریباً ایک صدی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں خلافت کا ادارہ جیسا بھی موجود رہا۔ اس میں مرکزیت کا احساس قائم رہا ہے اور ان کے بہت سے مسائل خلافت کی مرکزیت سے حل ہوتے رہے۔ آج ہم اس مرکزیت کی غیر موجودگی کی وجہ سے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بہت سی پریشانیوں اور مشکلات سے دوچار ہیں، جس کا حل یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں میں خلافت کا دوبارہ احیاء ہو، نظام خلافت دوبارہ قائم ہو اور ملت اسلامیہ ایک مرکز کی رہنمائی میں اپنی مشکلات و مصائب سے نکلنے کے لئے مشترکہ جدوجہد کرے۔

اب تک کی بحث میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ خلافت کا لفظ قرآن حکیم کے اختیارات لغویہ میں سے ہے۔ قرآن کریم کی زبان میں خلافت سے مقصود زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو حکومت کے ذریعے نافذ کرنا ہے۔ قرآن کے نزدیک اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت و سعادت کے لیے ایک خاص ذمہ دار حکومت قائم ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے تاکہ ظلم وجور اور ضلالت و طغیان سے اس کی زمین پاک ہو جائے۔

سب سے پہلے خلافت کا یہ منصب اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت آدم علیہ السلام کو ملا۔ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے پہلے خلیفہ ہوئے اور آپ کے بعد ہر نبی علیہ السلام اپنے سابق کا نائب اور خلیفہ قرار پایا۔ ظہور اسلام کے ساتھ جب جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کے ختم ہونے کا اعلان ہوا، تو قرآن نے خلافت کا یہ منصب امت مسلمہ کے سپرد کر دیا، یہی تمکن فی الارض ہے، یہی استخلاف فی الارض ہے اور اسی کا نام خلافت ہے۔

جمہوریت: مختصر تعارف، اصول ومبادی

جمہوریت کی اصطلاح اگرچہ اس وقت عالمی سطح پر رائج ہے، مگر اس اصطلاح کا کوئی ایک مفہوم متعین کرنا مشکل ہے۔ مغربی دنیا میں جمہوریت کی اصطلاح اور جمہوری نظام کو فرد کی فلاح کا ضامن سمجھا جارہا ہے۔ جبکہ تیسری دنیا کے ممالک میں استعمار کی نگرانی میں پرورش پانے والی جمہوریتیں انسانی زندگی کے کرب اور دکھ کی ذمہ دار قرار دی جارہی ہیں، چنانچہ جب ہم پاکستان میں جمہوریت کا شور سنتے ہیں تو معاشرے کے عام افراد کے دل و دماغ میں امید اور امنگ پیدا ہونے کی بجائے مایوسی اور پریشانی کا احساس غالب آجاتا ہے۔ اس لئے کہ پاکستان میں جس قسم کی جمہوریت سے عوام کا واسطہ ہے، اس کے ذریعے آج تک فرد کی فلاح، معاشرے کی بہبود اور قوم کی خوشحالی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکی۔ اس کے برعکس مذہبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی میدانوں میں آزاد خیالی کے فتنوں نے راہ پائی جسے عصرِ حاضر کے دانشوروں نے Liberal Democracy کا نام دیا۔ جس کا نتیجہ فکری اِنتشار، ذہنی پراگندگی اور ایمان و یقین کی کمی کی صورت میں نکلا ہے کیونکہ جمہوریت اپنی ہر شکل میں عوام کی حاکمیت اور سیکولرازم کی دعویدار ہے۔ عوام کی حاکمیت اور سیکولرازم کا منطقی نتیجہ بے قید اور مادر پدر آزادی ہی ہو سکتا ہے اور یہ عوام کا جمہوری حق مانا جاتا ہے۔ اس کی آزادی کے تحت مغرب کا ایک شخص خدا اور رسول کو گالی دے سکتا ہے۔ شعائر دین کا مذاق اڑا سکتا ہے۔ ماں،

بہن اور بیٹی کے ساتھ جنسی تعلق قائم رکھ سکتا ہے۔ والدین تک کیلئے کسی کی نجی زندگی میں دخل دینا قانوناً جرم ہے اور یہ سب کچھ آزادی اور جمہوری حقوق کے نام پر ہو رہا ہے۔

تو نے دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر (26)

جمہوریت اپنے اصل عربی مفہوم کے اعتبار سے کوئی بُری چیز نہیں ہے۔

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"الجُمْهُورُ هي الرملة المشرفة على ما حولها المجتمعة الرمل الكثير المتراكم الواسع والجُمْهُور الأَرض المشرفة على ما حولها وجُمهورُ كل شيء معظمُه وجُمهورُ الناس جُلُّهُم" (27)

ترجمہ: جمہوریت ریت کے اُس ڈھیر کو کہتے ہیں جو ارد گرد کی زمین سے بلند اور مجتمع ہو اور بہت سی تہ بہ تہ ریت کے وسیع میدان کو بھی جمہور کہا جاتا ہے۔ "جُمْهُورہ" وہ زمین ہوتی ہے جو ارد گرد کی زمین سے بلند ہو۔ ہر چیز کے بڑے حصے کو جمہور کہا جاتا ہے "جمہورُ الناس" سے مراد ہے لوگوں کے ممتاز اور نمایاں افراد یا اُن کی اکثریت۔

حدیث، فقہ اور لغت کی کتابوں میں لفظ جمہور اسی لغوی مفہوم میں بار بار آتا ہے۔ یعنی اکثریت یا نمایاں اور بلند مرتبہ افراد اور اس مفہوم کے اعتبار سے اس کے استعمال میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کا سربراہ جمہور الناس یا اس کے نمائندوں (اہل الحل والعقد) کا منتخب کردہ اور معتمد علیہ ہونا ضروری ہے۔ اور اس لحاظ سے اسلامی نظام حکومت بھی جمہوری اور شورائی نظام ہے۔ لیکن زیر بحث لفظ جمہوریت یا جمہور نہیں ہے بلکہ یونانی لفظ "ڈیموکریسی" ہے۔ اہل مغرب نے جمہوریت کا تصور عربی لغت سے نہیں لیا بلکہ یونانی لفظ ڈیموکریسی سے لیا ہے جس کے معنی ہیں "عوام کی حکومت" یعنی عوام کی حکومت؛ عوام کے ذریعے؛ عوام کیلئے۔

اس نظام میں معیار حق اور ماخذ قانون عوام کی مرضی اور منشاء ہوتی ہے، جمہور الناس مختارِ کل اور مقتدرِ اعلیٰ ہوتے ہیں اور جمہوریت مطلق العنان ہوتی ہے۔ اس نظام کے قومی اور عوامی نمائندوں کے لئے خدا، رسول، دین اور آسمانی کتابوں یا اخلاقی قدروں کی تابعداری ضروری نہیں، ہوتی، بلکہ عوام کی مرضی اور اُن کی پسند کی تابعداری اور وفاداری لازمی ہوتی ہے۔ گویا عوام خدا ہوتے ہیں اور عوامی نمائندے اُن کے رسول

ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ ایک مشرکانہ نظامِ سیاست ہے۔ اس کے ذریعے ایک اسلامی نظریاتی مملکت کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔(28)

جمہوریت دراصل مغربی معاشرے میں پروان چڑھی تو اس کا اپنا مخصوص تاریخی پس منظر ہے یہ محض انسانی حقوق اور آزادی کے تحفظ کے طور پر متعارف نہیں ہوئی، بلکہ اس نے مغرب میں مذہب اور اخلاقی اقدار کے ہر نظام کو شکست سے دوچار کر کے اپنی بنیاد لادینیت (Secularism) پر استوار کی مگر آگے چل کر جمہوریت کے تحت جو مغربی معاشرہ تشکیل پایا۔ اس میں سیکولرازم کے امکانات کو مسدود کر کے فرد کی خواہش کے معبود کی پرستش کا راستہ دکھایا گیا، تو اس کا نام ہی جمہوریت، لبرل جمہوریت، اور لبرل ازم قرار پایا۔

مسلمانوں کے ہاں جمہوریت عالمی سطح پر مسلمانوں کے زوال کے بعد آئی، لیکن لفظ ''جمہوریت'' عربی اور علومِ اسلامیہ میں کثرت سے استعمال ہونے والے لفظ ''جمہور'' سے ماخوذ ہے۔ اٹھارویں صدی میں ترکی میں جمہوریت کی اصطلاح عربی میں مستعمل ''لفظ ''جمہور'' سے ہی اخذ کی گئی، جس کا مطلب آدمیوں کا مجموعہ ہے، مجمع عام یا عام طور پر سارے لوگ ہیں۔(29)

جمہوریت کے اصطلاحی مفہوم میں اس سے مراد ایک ایسا نظامِ حکومت ہے جو لوگوں کی اکثریت کی مرضی سے وضع کیا جاتا ہے۔ یعنی لوگوں کی اکثریت خود اپنے بھلے اور بُرے کا فیصلہ کرے گی اور اس کا دوسرا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ عوام کی مرضی سے بالاتر کوئی ہستی اور قانون کا کوئی منبع تسلیم نہ کیا جائیگا۔ جمہوریت کا یہی تصور جب مغربی استعمار کے ذریعے نوآبادیاتی نظام میں عالم اسلام میں متعارف ہوا، تو ایک زبردست فکری کشمکش کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کے نتیجے میں دو نمایاں طبقات سامنے آئے۔

مسلمان اسلام سے کسی بھی دور میں اس طرح بدظن اور بددل نہیں ہوئے، جس طرح سترہویں اور اٹھارویں صدی کی عیسائیت نے اپنے پیروکاروں کو کیا۔ چنانچہ جب جمہوریت عالم اسلام میں اپنا راستہ بنا رہی تھی تو تجدد پسند طبقے نے جمہوریت کی جڑیں مغرب کے معاشرے سے زیادہ قرآن و سنت میں تلاش کرنے کی منظم کوشش کی اور یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام تو سراسر ہے ہی جمہوریت لٰہذا اس طبقے سے اسلامی جمہوریت کی اصطلاح متعارف کرائی۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو ہر اعتبار سے اسلام کو مکمل ضابطہء حیات اور نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اور مغربی جمہوریت کو بین دلائل سے ردّ کرتا ہے، جبکہ اس کے برعکس پیش کئے جانے والے خلافت یا اسلامی

حکومت کے تصور کا کوئی عملی ماڈل موجود نہیں ہے۔اس لئے مخالف اسلام پسندوں کو اپنی فکر سمجھانے کے لئے کافی مشکل پیش آتی ہے۔[30]

موجودہ جمہوریت کے بارے میں اہل علم کی آراء:

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری رقمطراز ہیں:

"پاکستان میں وہ حالات نہ آج ہیں نہ پہلے کبھی تھے جو اسلامی جماعتوں کی جمہوری فتح کے لئے ضرور ہیں، پاکستانی سیاست ہمیشہ سے غرض کی سیاست رہی ہے۔اس میں غرض ہی کی بنیاد پر سیاسی گروہ بندی عمل میں آتی ہے اور غرض کے بندے ہی سیاسی عمل میں شریک ہوتے ہیں۔ پاکستانی عوام کی روحانی اور اخلاقی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ان حالات میں اُن سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر اسلامی حمیت اور عصبیت کی بنیاد پر جمہوری عمل میں حصہ لیکر اسلامی نمائندے منتخب کریں گے، نہایت غیر حقیقت پسندانہ ہے۔"[31]

پاکستان کی تمام اسلامی تحریکات نے اس حقیقت سے بھی صرف نظر کیا ہے کہ عوام کی اخلاقی اور روحانی حالت غلبہ دین کی جدوجہد کی راہ میں ایک بڑی روکاوٹ ہے۔جمہوری اور دستوری عمل کی تصدیق کر کے اسلامی جماعتیں عوام کی اخلاقی گراوٹ کا جواز پیش کرتی ہیں۔انتخابی عمل میں شمولیت کے نتیجہ میں عوام میں قربانی دینے کا جذبہ نہیں ابھرتا بلکہ عوام اسلامی جماعتوں کو بھی انہیں پیمانوں پر پرکھنے لگتے ہیں، جن کی بنیاد پر وہ سیکولر جماعتوں کو پرکھتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی جماعتوں کا دینی اور اخلاقی تشخص مجروح ہوتا ہے اور اُن کا سیاسی پروگرام اس دعوے پر مرکوز ہو جاتا ہے کہ وہ جمہوری اور سرمایہ دارانہ عمل کو شفاف اور غیر کرپٹ بنا دیں گے جبکہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کرپشن ہی کا دوسرا نام ہے۔ غیر کرپٹ جمہوریت اور غیر کرپٹ سرمایہ داری نہ کبھی دنیا میں موجود رہی ہے اور نہ اس کا وجود ممکن ہے۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ عوام اسلامی جماعتوں کے انتخابی منشور کو رد کر دیتے ہیں۔اور انہیں ہر انتخاب میں بری طرح ناکامی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

خرم مراد لکھتے ہیں:

"جمہوری راستہ اختیار کرنے سے عام سیاسی جماعتوں کے ساتھ مذہبی سیاسی جماعتوں کو بھی جمہوری عمل میں بعض لبرل رویے اختیار کرنے پڑتے ہیں، اگرچہ وہ ان لبرل رویوں کو اسلامائز کرنے کی

کوشش میں لگے رہنے کے باعث داخلی طور پر کشمکش اور تضادات میں مبتلا رہتے ہیں مثلاً جماعت اسلامی پاکستان آج تک صدر ایوب کے خلاف انتخابی جدوجہد میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت پر ہدف تنقید بنتی ہے اسی طرح دیوبند کے راہنما مولانا حسین احمد مدنی کانگریس کے حمایتی رہے جس میں عورتیں بھی سرگرم اور نمایاں تھیں پھر اسی تسلسل میں مولانا فضل الرحمن نے ء سے تک بے نظیر بھٹو کے ساتھ ایم آر ڈی کے فورم پر جمہوری جدوجہد میں حصہ لیا۔ ء کے انتخابات میں مولانا فضل الرحمن نے کھل کر بے نظیر کا ساتھ دیا اور وزارتوں میں بھی حصہ لیا۔"(32)

یہ سب جمہوریت کا فیض ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ اور غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والی شخصیات اور اسلامی تحریکیں۔ یورپ کی تعمیر کردہ شاہراہ جمہوریت پر سفر کرتے ہوئے اسلام کے مرکز و مبدا حجاز مقدس پہنچنا چاہتے ہیں جو شاید کبھی ممکن نہ ہو سکے۔

قیام، پاکستان کے فوراً بعد ء میں علماء کی جدوجہد سے آئینی طور پر قراردادِ مقاصد کی منظوری گو کہ خوشگوار فیصلہ تھا لیکن اس نے مذہبی جماعتوں کو جمہوریت کے بارے میں پُرامید کر دیا۔ اس قرارداد کی منظوری میں اسمبلی کے اندر علامہ شبیر احمد عثمانی اور اسمبلی سے باہر عوامی سطح پر مولانا مودودی نے نمایاں کردار ادا کیا چنانچہ اس کے بعد مولانا مودودی نے اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جمہوری جدوجہد کو اپنا لیا۔ جس کے باعث جماعت اسلامی میں شامل بعض نامور علماء نے مولانا مودودی سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی راہ الگ کر لی۔

قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد جمہوریت کے بارے میں جو خوش فہمی پیدا ہوئی۔ اُس کی وجہ عوام کے فہمِ دین اور اسلامی شعور کی بجائے تحریک پاکستان کی جذباتی فضا تھی۔ لہٰذا یہ سمجھ لیا گیا کہ عوام کی اکثریت نہ صرف اسلامی نظام حیات کا فہم رکھتی ہے۔ بلکہ روحانی و اخلاقی اعتبار سے اسلامی حکومت کے ساتھ چلنے کے لئے تیار بھی ہے، جس کا ثبوت قرارداد مقاصد ہے۔ جس کے نتیجے میں بقول مولانا مودودی ریاست نے آئینی طور پر کلمہ پڑھ لیا ہے۔ چنانچہ مغربی طرز انتخاب کو اسلامی حکومت کے قیام کے لئے اپنا لیا گیا، مگر بدقسمتی سے ہر مرحلہ اس حوالے سے نقش بر آب ثابت ہوا اور اسلامی انقلاب کے لئے اٹھنے والی ہر آواز پاکستانی معاشرے کی جمہوری تاریخ میں صدائے صحر ثابت ہوئی۔

مولانا عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں کہ جمہوریت میں پانچ ارکان ایسے ہیں، جو شرعاً ناجائز ہیں۔

۔ حق بالغ رائے دہی بشمول خواتین (سیاسی اور جنسی مساوات)۔

- ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قدر و قیمت۔
- درخواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات۔
- سیاسی پارٹیوں کا وجود۔
- کثرتِ رائے سے فیصلہ۔

ان ارکان خمسہ میں سے ایک رکن بھی حذف کر دیا جائے تو جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ جب کہ اسلامی نظام خلافت میں ان ارکان میں سے کسی ایک کو بھی گورا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ یعنی نہ تو جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی جمہوریت کے مروجہ اصول نظام خلافت میں شامل کر کے اس کے سادہ، فطری اور آسان طریق کار کو خواہ مخواہ مکدّر اور مبہم کیا جا سکتا ہے وجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک لادینی نظام ہے اور اس کے علمبردار مذہب سے بیزار تھے جبکہ خلافت کی بنیاد ہی خدا اور اُس کے رسول اور آخرت کے تصور پر ہے اور اس کے اپنانے والے انتہائی متقی اور بلند اخلاق انسان تھے۔ (33)

آج کے دور میں بعض اسلامی ذہن رکھنے والے حضرات اور نیک نیتی سے اسلامی انقلاب کے داعی لیڈر جب دیکھتے ہیں کہ اقتدار پر قبضہ کئے بغیر اسلامی نظام کی ترویج ناممکن ہے تو اس کا حل انہوں نے یہ تلاش کیا کہ نیک شہرت رکھنے والے امیدوار انتخاب کے لئے نامزد کئے جائیں اور عوام میں اسلامی تعلیمات کا پرچار کر کے ایسے نمائندوں کی ہر ممکن امداد پر لوگوں کو ابھارا جائے تاکہ اسمبلی میں نیک لوگوں کی کثرت ہو جائے۔ موجودہ جمہوری دور میں معاشرہ کی اصلاح اور اسلامی نظام کی ترویج کی یہی واحد صورت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ووٹوں کے ذریعہ نہ آج تک کبھی اسلام آیا ہے اور نہ آئندہ آ سکتا ہے۔ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو انبیاء و رسل اس پُر امن ذریعہ انتقالِ اقتدار کو ضرور استعمال کرتے۔

بنی نوع انسان کیلئے قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی سنت سے بہتر دستور ناممکن ہے دین کی تبلیغ کے لئے جوان تھک اور جان توڑ کوششیں حضور اکرم ﷺ نے فرمائیں دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کو جان نثار اور مخلص افراد کی ایک جماعت بھی مہیا ہو گئی تھی جو اسلام کے عملی نفاذ کے لئے صرف تبلیغ و اشاعت پر ہی انحصار نہیں رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں اسی قالب میں ڈھال لی تھیں۔ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کی جماعت گویا اسلامی تعلیمات کے چلتے پھرتے عملی نمونے تھے لیکن تیرہ سال کی انتھک کوششوں کے باوجود یہ نہ ہو سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں اسلامی ریاست قائم کر لیتے۔

جب ایک بہترین دستور بھی موجود ہو اور اُس کو عملاً نافذ کرنے والی جماعت بھی مثالی کردار کی مالک ہو وہ تو اس دستور کو کثرت رائے کے ذریعے نافذ نہ کر سکی تو آج کے دور میں یہ کیونکہ ممکن ہے؟

اسلامی نظام کی ترویج کے لئے اقتدار کی ضرورت سے انکار نہیں۔ لیکن رائے عامہ کو صرف تبلیغ کے ذریعے ہموار کرنا اور اس طرح اسلامی انقلاب برپا کرنا خیالِ خام ہے اس کے لئے ہجرت، جہاد اور دوسرے ذریعے ہی اختیار کرنے پڑیں گے جیسا کہ انبیاء اور مجاہدین اسلام کا دستور رہا ہے۔ علامہ محمد اقبال جنہیں سیاسی بصیرت کے لحاظ سے نظریہ پاکستان کا خالق اور دینی بصیرت کے اعتبار سے مفکّرِ اسلام سمجھا جاتا ہے انہوں نے مغربی جمہوریت کا بغور مطالعہ کیا اور اس کی قباحتوں سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کار شو

کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمے آید

مزید فرماتے ہیں:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

مولانا زاہد اقبال رقمطراز ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ انتخابی سیاست سے الگ رہ کر اصلاح احوال کی جدوجہد کے اتنے اور ایسے میلان ہیں کہ اُن پر اگر صحیح توجہ دی جائے تو نہ صرف یہ کہ بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ اُن کے زیادہ پائیدار ہونے کی بھی توقع ہے۔"(34)

انتخابی سیاست میں ایک عرصہ تک سرگرم رہنے کے بعد اپنے آپ کو عملی فکری اور نظری سرگرمیوں تک محدود کر لینے والے معروف عالمِ دین مولانا زاہد الراشدی فرماتے ہیں:

"اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر اور اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدے پر عمل میں آیا تھا اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے ایک نظریاتی اسلامی ریاست کی تشکیل کے جذبہ کے ساتھ اس کے لئے قربانیاں دی تھیں مگر قیام پاکستان کے بعد سے اس مملکت خداداد میں اسلامی نظام کے نفاذ اور قرآن و سنت کے احکام کی عمل داری کا مسئلہ ابھی تک مسلسل سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ اس کے اسباب میں دیگر

بہت سے عوامل کے علاوہ ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ مذہبی قوتوں نے نفاذِ اسلام کے لئے اپنی ساری تگ و تاز کا ہدف انتخابی سیاست کو قرار دے رکھا ہے جبکہ جدوجہد کے دیگر فکری و نظریاتی اور عملی تقاضوں کو مکمل طور پر پس پشت ڈال دیا ہے۔"(35)

مولانا زاہد الراشدی مذہبی جماعتوں کی انتخابی سیاست اور جمہوری جدوجہد پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں۔

" ملکی سیاست میں حصہ لینے والی جماعتیں اس وقت عجیب مخمصے میں ہیں اور ریگستان میں راستہ بھول جانے والے قافلے کی طرح منزل کی تلاش بلکہ تعین میں سر گرداں ہیں مروجہ سیاست میں حصہ لیتے وقت، مذہبی جماعتیں یقیناً اپنے اس اقدام میں پوری طرح مطمئن نہ تھیں اور وہ خدشات و خطرات اس وقت بھی ان کے ذہن میں اجمالی طور پر موجود تھے جن سے انہیں آج سابقہ درپیش ہے لیکن اُن کا خیال یہ تھا کہ مروجہ سیاست میں شریک کار بنے بغیر ملکی نظام میں تبدیلی کی کوئی کوشش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ اور مروجہ سیاست کی خرابیوں پر وہ مذہبی قوت اور عوامی دباؤ کے ذریعے قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لئے مذہبی جماعتوں نے مروجہ سیاست کی دلدل میں کودپڑنے کا رسک لے لیا لیکن آج ووٹ، الیکشن اور دباؤ کی مروجہ سیاست ان کے گلے کا ہار بن گئی ہے۔ کہ نہ تو انہیں اس کے ذریعے سے دینی مقاصد کے حصول کا کوئی امکان نظر آتا ہے نہ وہ اس سے کنارہ کش ہونے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ نہ اس مروجہ سیاست کے ناگزیر تقاضوں کا پورا کرنا ان کے بس کی بات ہے اور نہ ہی وہ قومی سیاست میں اپنے موجودہ مقام اور بھرم کو باقی رکھنے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس صورت حال کا ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سنجیدہ تجزیہ کیا جائے اور اُن اسباب و عوامل کا سراغ لگایا جائے، جو ملکی سیاست میں مذہبی جماعتوں کی ناکامی کا سبب بنتے ہیں۔ تاکہ اُن کی روشنی میں دینی و سیاسی جماعتیں اپنے مستقبل کو حال سے بہتر بنانے کی منصوبہ بندی کر سکیں۔(36)

عصرِ حاضر کے جید علماء کی رائے:

عصر حاضر کے جید علماء ماضی کے نتائج اور مستقبل کے خطرات کو مد نظر رکھتے ہوئے جمہوری طرز حکومت کو رد کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ یہ طرز حکومت کبھی بھی غلبہ اسلام کے لئے معین و مددگار نہیں ہو سکتا۔ ذیل کی سطور میں اس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

وفاق المدارس پاکستان کے صدر شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان فرماتے ہیں:

"جمہوری سسٹم شریعت کے خلاف ہے۔ جمہوری سسٹم سے نفاذِ اسلام کبھی نہیں ہوگا۔ موجودہ وقت میں (مراد MMA کا دور ہے) قومی اسمبلی اور سینٹ میں علماء کی جتنی بڑی تعداد پہنچی ہے اتنی بڑی تعداد پہلے کبھی نہیں پہنچی اور نہ ہی آئندہ اس طرح کا کوئی امکان ہے۔ متحدہ مجلس عمل کے اتنے ارکان ہونے کے باوجود "تحفظ حقوق نسواں بل" پاس ہو گیا اور مجلس عمل نے واک آؤٹ کرنے اور ڈیسک بجانے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ انتخابی سیاست کا کچھ فائدہ نہیں۔۔۔ انتخابی سیاست چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے اور اس حوالے سے علماء سے مشاورت کی جائے۔"(37)

مفتی نظام الدین شامزئی فرماتے ہیں:

"اڑتالیس سال علماء انتخابی و جمہوری سیاست میں ضائع کر دیئے ہیں دھڑلے سے کہتا ہوں کہ اس طرز سیاست و حکومت سے اڑتالیس ہزار سال میں بھی اسلام نہیں آئے گا۔"(38)

خلافت اور جمہوریت کا تقابلی جائزہ

- جمہوریت کا بنیادی فکر "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے اسلامی نظامِ خلافت کے نظریہ سے متصادم ہے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عوام سے ووٹ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ عوام کا حق حکمرانی و قانون سازی، تسلیم کیا جارہا ہے کہ وہ اسلامی نظام خلافت قبول کریں۔ یا اس کے مقابل کسی اور نظام کو، یہ اسلامی فکر و فلسفہ کے خلاف ہے۔
- پارلیمنٹ میں اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت کو قانون سازی کا حق ہوتا ہے۔ جبکہ دینی سیاسی جماعت پارلیمنٹ میں اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی قانون سازی نہیں کر سکتی۔ مزید یہ کہ اکثریتی پارٹی چاہے تو اسلام سے متصادم قانون سازی بھی کر سکتی ہے اسے اُس کا جمہوری سیاسی حق مانا جائے گا۔ جو سراسر اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔
- جمہوری جدوجہد میں حصہ لینے والی سیاسی و دینی جماعت کو، جمہوری دستور پر حلف اٹھانا اور اُسکی پاسداری کرنا لازمی ہوتا ہے خواہ اُس میں خلافِ اسلام دفعات شامل ہوں۔ ورنہ وہ حکومت کا حصہ نہیں بن سکتی۔ یہ طرز عمل اسلام کے خلاف ہے۔
- موجودہ جمہوریت میں انتخابات میں اکثریت حاصل کر کے اقتدار میں آنے والی جماعت کو صرف پانچ سال تک حکومت کرنے کا حق ہے۔ مقتدر جماعت کو یہ شرط قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ بالفرض اگر جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں کوئی دینی جماعت برسرِ اقتدار آکر اسلامی نظام

خلافت قائم کر دیتی ہے تو یہ مدت صرف پانچ سال کے لئے ہو گی۔ اس کے بعد اُس جماعت کو اقتدار سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اس کا مطلب عوام کو پھر سے اسلامی نظام یا اس کے مقابل کسی باطل نظام کے انتخاب کا حق دینا ہے۔ یہ اسلامی نظام، خلافت کے اصول کے خلاف ہے۔

- اسلام نظام خلافت اور جمہوری نظام حکومت دو متوازی نظام ہیں۔ دونوں کے اصولِ حکمرانی ایک دوسرے سے متصادم اور متضاد ہیں چنانچہ دینی جماعتوں کی جمہوری سیاست میں شرکت سے باطل جمہوری نظام کی تائید و توثیق ہوتی ہے جو تعاون علی البرّوالتقوی کی بجائے تعاون علی الاثم والعدان کی ایک شکل ہے۔
- جمہوری نظام کی بنیادی فکر سیکولرازم ہے، نظام خلافت کی بنیادی فکر اسلام ہے دونوں نظاموں کو قائم کرنے اور چلانے کے طریقے الگ الگ ہیں دونوں کی پیوندکاری غیر شرعی، غیر فطری اور خلاف عقل ہے۔
- جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے، سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت میں ہی پروان چڑھتا اور پرورش پاتا ہے۔ جبکہ اسلامی نظام خلافت، سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے۔ لٰہذا جمہوری جدوجہد اسلامی نظامِ خلافت کے قیام کے حوالے سے ایک سعی لاحاصل ہے۔
- جمہوری سیاست کے دلدل میں داخل ہونے کے بعد دینی سیاسی جماعتیں اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھنے میں بُری طرح ناکام رہی ہیں۔ تمام ترحیلے اختیار کرنے کے باوجود آج تک پاکستان میں اکثریت حاصل نہیں کر سکیں، لہٰذا جمہوری جدوجہد پر تاریخ گواہ ہے کہ جمہوریت کا منہج نظامِ خلافت کے قیام کا منہج نہیں۔
- جمہوری سیاست میں انتخابی مہم چلانے کے لئے جس قدر وسائل کی ضرورت ہوتی ہے وہ دینی جماعتوں اور صالح افراد کے بس کی بات نہیں، مزید یہ کہ مخالف امیدوار پر جھوٹے الزامات لگا کر اُس کی کردار کشی کرنا انتخابی سیاست کا لازمی حصہ ہے جو کہ اسلامی تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی ہے۔
- پاکستان کے معروضی حالات میں سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت اور جاگیرداری نظام کبھی بھی دینی جماعتوں کو جمہوری جدوجہد کے ذریعے اقتدار تک پہنچنے کا راستہ نہیں دے گا پاکستان کی 65 سالہ

تاریخ اس پر گواہ ہے لہٰذا پاکستان میں اسلامی نظام خلافت کے قیام کا ایک ہی راستہ نظر آتا ہے پر امن انقلابی جدوجہد کا راستہ۔

چنانچہ انقلابی جدوجہد کے لئے رہنمائی کسی آزاد سوچ اور باغی فکر سے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اُسوۂ رسول ﷺ کا مطالعہ ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے کفر و شرک اور ظلم و جور کے اندر گھرے ہوئے معاشرے میں کس طرح انقلاب برپا کیا جس کے نتیجے میں نہ صرف لوگوں کی انفرادی زندگی میں تبدیلی آئی بلکہ اُن کی معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت ہر چیز کا دھارا بدل گیا۔اور وہ دنیا کے لئے روشنی کا مینار بن گئے۔

حواشی و حوالہ جات

1) علامہ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، سن ندارد، ص:۹/

2) سورۃ الاعراف:۷/

3) عبدالرحمن بن محمد بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، مؤسسہ الاعلی للمطبوعات، بیروت لبنان، سن ندارد، ص:

4) شاہ ولی اللہ دہلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، سن ندارد، ص:۱/

5) مولانا ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، مکتبہ جمال اردو بازار لاہور، ء، ص:

6) سورة البقرة: ۳۰

7) محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، دار المسلم لاہور، سن: ندارد، ص: ۱/

8) سورۃ التوبہ: ۹/ ، سورۃ الصف: ۶۱/

9) مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، دار التصنیف، شاہراہ لیاقت، کراچی، ص:

10) عبدالشکور لکھنوی، تحفہ خلافت، تحریک خدام القرآن اہل سنت پاکستان جہلم، سن: ھ، ص:

11) محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مکتبۃ العلم والحکم، مدینہ منورہ، ص: ۱/

12) اسرار احمد، ڈاکٹر، نبی اکرم □ کا مقصد بعثت، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہشتم، ء، ص:

13) امام احمد بن حنبل، مسند احمد، المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر بیروت، سن: ندارد، ص: ۴/

14) امام ترمذی، جامع ترمذی، دار الغرب الاسلامی، سن ندارد، ص:

15) امام احمد بن حنبل، مسند احمد، موسسۃ الرسالۃ، طبع اول، 2001ء، ص: ۶/

16) علامہ ابن حزم ظاہری، المحلّی، طبع بیروت، س ندارد، ص: ۱/

17) الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، دار الحدیث، قاہرہ، ص:

18) امام عبدالقاہر البغدادی، اصول الدین، طبع جامعہ اشرفیہ لاہور، سن: ندارد، ص:

19) شیخ الاسلام ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، طبع مصر، سن: ء، ص:

20) شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مترجم عبدالشکور، قدیمی کتاب خانہ کراچی، ص: ۱/

21) علامہ اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی لاہور، ص:

22) سورۃ النور: ۲۴/

23) سورۃ المائدہ: ۵/

24) سورۃ المائدہ: ۵/

25) سورۃ النساء: ۴/

26) علامہ اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی لاہور، ص:

27) الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، مادہ جمہر، دار صادر، بیروت ص: ۱۴۹/۴

28) گوہر رحمن، مولانا، اسلامی سیاست، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور، ایڈیشن: ، س: ء، ص:

29) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، سن: ء، ص: ۴۳۰/۷

30) اشتیاق احمد، گوندل، ڈاکٹر، پاکستان میں اسلام اور لبرل ازم کی کشمکش، شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ء، ص:

31) جاوید اکبر انصاری، ڈاکٹر، پاکستان میں تحریک غلبہ دین، ماہنامہ ساحل، فیڈرل بی ایریا کراچی، جنوری ء، ص:

32) خرّم مراد، لمحات، منشورات منصورہ لاہور، سن: ء، ص:

33) عبدالرحمن کیلانی، مولانا، خلافت وجمہوریت، مکتبہ اسلام وسن پورہ لاہور، سن: ء، ص: -

34) محمد زاہد اقبال، مولانا، تحریک پاکستان کے دینی اسباب و محرکات، مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد، ء، ص:

35) زاہد الراشدی، مولانا، مذہبی جماعتیں اور قومی سیاست، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، سن: ء، ص:

36) ایضاً، ص: ۱۱-۱۲

37) سلیم اللہ خان، مولانا، خطاب علماء کنونشن اسلام آباد، روزنامہ اسلام، ستمبر ء، ص:

38) نظام الدین شامزی، مفتی، خطبات شامزئی، ص: ۱/

****